

تفہیم القرآن

سبا

(۴)

۳۸ آسے نبی، ان مشرکین سے کہو کہ پکارو دیکھو اپنے ان معبودوں کو جنہیں تم اللہ کے سوا اپنا معبود سمجھے بیٹھے ہو۔ وہ نہ آسمانوں میں کسی ذرہ برابر چیز کے مالک ہیں نہ زمین میں۔ وہ آسمان و زمین کی ملکیت میں شریک بھی نہیں ہیں۔ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار بھی نہیں ہے۔ اور اللہ کے حضور کوئی شفاعت بھی کسی کے لیے نافع نہیں ہو سکتی بجز اس شخص کے جس کے لیے اللہ نے سفارش کی اجازت دی ہو۔ حتیٰ کہ جب لوگوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوگی تو وہ

۳۸ پچھلے دور کو عوں میں آخرت کے متعلق مشرکین کے غلط تصورات پر کلام فرمایا گیا تھا۔ اب تقریباً رُخ تو بدید مشرک کے مضمون کی طرف پھر رہا ہے۔

۳۹ یعنی اللہ تو یوں انتہا خاص اور اقوام اور سلطنتوں کی قسمیں بنانا اور بگڑنا ہے، جیسا کہ ابھی تم داؤد و سیدان علیہما السلام اور قوم سبا کے ذکر میں سُن چکے ہو۔ اب نہ اپنے ان بناوٹی معبودوں کو پکار کر دیکھ لو، کیا ان میں بھی یہ طافت ہے کہ کسی کے اقبال کو ادبار سے، یا ادبار کو اقبال سے بدل سکیں؟

۴۰ یعنی کسی کا خود مالک ہونا، یا ملکیت میں شریک ہونا، یا مددگار خدا ہونا تو درکنار، ساری کائنات میں کوئی ایسی ہستی تک نہیں پائی جاتی جو اللہ تعالیٰ کے حضور کسی کے حق میں بطور خود سفارش کر سکے۔ تم لوگ اس غلط فہمی میں پڑے ہو تے ہو کہ کچھ خدا کے پیارے ایسے ہیں، یا خدا کی خدائی میں کچھ نبرد سے ایسے زور آور ہیں کہ وہ اڑ بیٹھیں تو خدا کو ان کی سفارش مانتی ہی پڑے گی۔ حالانکہ وہاں حال یہ ہے کہ اجازت بے غیر کوئی زبان کھولنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ جس کو اجازت ملے گی صرف وہی کچھ عرض کر سکے گا۔ اور جس کے حق میں

سفرارش کرنے والوں سے) پوچھیں گے کہ تمہارے رب نے کیا جواب دیا۔ وہ کہیں گے کہ ٹھیک جواب ملا ہے اور وہ بزرگ و بڑے ہیں۔

اسے نبی، ان سے پوچھو، کون تم کو آسمانوں اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کہو: اللہ۔ اب لامحالہ ہم میں اور تم میں سے کوئی ایک ہی ہدایت پر ہے یا کھلی مگر اسی میں پڑا ہوا ہے۔ ان سے سفرارش کرنے کی اجازت ملے گی اسی کے حق میں عرض معروض کی جاسکے گی۔ اسلامی عقیدہ شفاعت اور مشرکائے عقیدت شفاعت کے فرق کو سمجھنے کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد دوم ص ۲۶۲-۲۶۵-۲۵۶-۳۴۸-۵۵۶-۵۶۲-جلد سوم، ص ۱۲۶-۱۵۵-۲۵۲)

۱۵۵ یہاں اُس وقت کا نقشہ کھینچا گیا ہے جب قیامت کے روز کوئی سفرارش کرنے والا کسی کے حق میں سفرارش کی اجازت طلب کرے گا۔ اس نقشے میں یہ کیفیت ہمارے سامنے آتی ہے کہ طلب اجازت کی درخواست بھیجنے کے بعد شافع اور مشفوع دونوں نہایت بے چینی کے عالم میں ڈرتے اور کانپتے ہوتے جا رہے ہیں۔ آخر کار جب اوپر سے اجازت آجاتی ہے اور شافع کے چہرے سے مشفوع بھانپ جاتا ہے کہ معاملہ کچھ اطمینان بخش ہے تو اس کی جان میں جان آتی ہے اور وہ آگے بڑھ کر شافع سے پوچھتا ہے کیا جواب آیا؟ شافع جواب دیتا ہے کہ ٹھیک ہے، اجازت مل گئی ہے۔ اس بیان سے جو بات ذہن نشین کرنی مقصود ہے وہ یہ ہے کہ نادانوں اور جس بڑے دربار کی شان یہ ہے اس کے متعلق تم کس خیال خام میں پڑے ہو کہ وہاں کوئی اپنے زور سے تم کو بخشو لے گا یا کسی کی یہ مجال ہوگی کہ وہاں چل کر بیٹھ جائے اور اللہ سے کہے کہ یہ تو میرے منوئل ہیں، انہیں تو بخشنا ہی پڑے گا۔

۱۵۶ سوال اور جواب کے درمیان ایک لطیف خلا ہے۔ مخاطب مشرکین تھے جو صرف یہی نہیں کہ اللہ کی ہستی کے منکر نہ تھے بلکہ یہ بھی جانتے اور مانتے تھے کہ رزق کی کنجیاں اُس کے ہاتھ میں ہیں۔ مگر اس کے باوجود وہ دوسروں کو خدائی میں شریک ٹھیراتے تھے۔ اب جو ان کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا کہ بتاؤ کون تمہیں آسمان زمین سے رزق دیتا ہے، تو وہ مشکل میں پڑ گئے۔ اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیتے ہیں تو خود اپنے اور اپنی قوم کے عقیدے کے خلاف بات کہتے ہیں۔ ہٹ دھرمی کی بنا پر ایسی بات کہہ بھی دیں تو ڈرتے ہیں کہ خود اپنی قوم کے

کہو، جو حضور ہم نے کیا ہو اس کی کوئی باز پرس تم سے نہ ہوگی اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس کی کوئی جواب طلبی ہم سے نہیں کی جائے گی۔ کہو، ہمارا رب ہم کو جمع کرے گا، پھر ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک

لوگ ہی اس کی ترمیم کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور اگر تسلیم کر لیتے ہیں کہ اللہ ہی رزق دینے والا ہے تو فوراً دوسرا

سوال یہ سامنے آ جاتا ہے کہ پھر یہ دوسرے کس مرض کی دوا ہیں جنہیں تم نے خدا بنا رکھا ہے؟ رزق تو دے اللہ

اور پڑے جائیں یہ، آخر تمہاری عقل کہاں ماری گئی ہے کہ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔ اس دو گونہ مشکل میں پڑ کر

وہ دم بخورہ جاتے ہیں۔ نہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ ہی رزق دینے والا ہے۔ نہ یہ کہتے ہیں کہ کوئی دوسرا معبود رازق

ہے۔ پوچھنے والا جب دیکھتا ہے کہ یہ لوگ کچھ نہیں لوتے، تو وہ خود اپنے سوال کا جواب دیتا ہے کہ ”اللہ“

۳۳ اس فقرے میں حکمت تبلیغ کا ایک اہم نکتہ پوشیدہ ہے۔ اور پر کے سوال و جواب کا منطقی نتیجہ یہ تھا کہ

جو اللہ ہی کی بندگی و پرستش کرتا ہے وہ ہدایت پر ہوا اور جو اس کے سوا دوسروں کی بندگی بجالاتا ہے وہ گمراہی

میں مبتلا ہوا۔ اس بنا پر لفظ ہر تو اس کے بعد کہنا یہ چاہیے تھا کہ ہم ہدایت پر ہیں اور تم گمراہ ہو۔ لیکن اس طرح دو ٹوک

بات کہہ دینا حق گوئی کے اعتبار سے خواہ کتنا ہی درست ہوتا حکمت تبلیغ کے لحاظ سے درست نہ ہوتا کیونکہ سب

کسی شخص کو مخاطب کر کے آپ صاف صاف گمراہ کہہ دیں اور خود اپنے برسر ہدایت ہونے کا دعویٰ کریں تو وہ

خند میں مبتلا ہو جائے گا اور سچائی کے لیے اس کے دل کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ اللہ کے رسول چونکہ مجرور

حق گوئی کے لیے نہیں بھیجے جاتے بلکہ ان کے سپرد یہ کام بھی ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ حکیمانہ طریقے سے بگڑے

ہوئے لوگوں کی اصلاح کریں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اسے نبی، اس سوال و جواب کے بعد اب

تم ان لوگوں سے صاف کہہ دو کہ تم سب گمراہ ہو اور ہدایت پر صرف ہم ہیں۔ اس کے بجائے تعلقین یہ فرمائی

گئی کہ انہیں اب یوں سمجھاؤ۔ ان سے کہو ہمارے اور تمہارے درمیان یہ فرق تو کھل گیا کہ ہم اسی کو معبود مانتے

ہیں جو رزق دینے والا ہے، اور تم ان کو معبود بنا رہے ہو جو رزق دینے والے نہیں ہیں۔ اب یہ کسی طرح ممکن

نہیں ہے کہ ہم اور تم دونوں ایک وقت راہ راست پر ہوں۔ اس صریح فرق کے ساتھ تو ہم میں سے ایک ہی

راہ راست پر ہو سکتا ہے، اور دوسرا لامحالہ گمراہ ٹھیرتا ہے۔ اس کے بعد یہ سوچنا تمہارا اپنا کام ہے کہ دلیل کس

کے برسر ہدایت ہونے کا فیصلہ کر رہی ہے اور کون اس کی رو سے گمراہ ہے۔

فیصلہ کر دیگا۔ وہ ایسا فیصلہ کرنے والا ہے جو سب کچھ جانتا ہے۔ ان سے کہو، ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی وہ کون بستیاں ہیں جنہیں تم نے اس کے ساتھ شریک لگا رکھا ہے؟ ہرگز نہیں، زبردست اور دانا تو میں وہ اللہ ہی ہے۔

۱۲۵ اور پر کی بات سامعین کو پہلے ہی سوچنے پر مجبور کر چکی تھی۔ اس پر مزید ایک فقرہ یہ فرمادیا گیا تاکہ وہ اور زیادہ تفکر سے کام لیں۔ اس سے ان کو یہ احساس دلایا گیا کہ ہدایت اور گمراہی کے اس معاملے کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنا ہم میں سے ہر ایک کے اپنے مفاد کا تقاضا ہے۔ فرض کرو کہ ہم گمراہ ہیں تو اپنی اس گمراہی کا خمیازہ ہم ہی بھگتیں گے، تم پر اس کی کوئی پکڑ نہ ہوگی۔ اس لیے یہ ہمارے اپنے مفاد کا تقاضا ہے کہ کوئی عقیدہ اختیار کرنے سے پہلے خوب سوچ لیں کہ کہیں ہم غلط راہ پر تو نہیں جا رہے ہیں۔ اسی طرح تم کو بھی ہماری کسی غرض کے لیے نہیں بلکہ خود اپنی ہی خیر خواہی کی خاطر ایک عقیدے پر جمنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لینا چاہیے کہ کہیں تم کسی باطل نظریے پر تو اپنی زندگی کی ساری پونجی نہیں لگا رہے ہو۔ اس معاملے میں اگر تم نے ٹھوکر کھائی تو تمہارا اپنا ہی نقصان ہوگا، ہمارا کچھ نہ بگڑے گا۔

۱۲۵ یہ اس معاملہ پر غور کرنے کے لیے آخری اور سب سے بڑا محرک ہے جس کی طرف سامعین کو توجہ دلائی گئی ہے۔ بات اسی حد پر ختم نہیں ہو جاتی کہ اس زندگی میں ہمارے اور تمہارے درمیان حق و باطل کا اختلاف ہے اور ہم میں سے کوئی ایک ہی حق پر ہے، بلکہ اس کے آگے حقیقت نفس الامری یہ بھی ہے کہ ہمیں اور تمہیں، دونوں ہی کو اپنے رب کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ اور رب وہ ہے جو حقیقت کو بھی جانتا ہے اور ہم دونوں گروہوں کے حالات سے بھی پوری طرح باخبر ہے۔ وہاں جا کر نہ صرف اس امر کا فیصلہ ہوگا کہ ہم میں اور تم میں سے حق پر کون تھا اور باطل پر کون۔ بلکہ اس مقدمے کا فیصلہ بھی ہو جائے گا کہ ہم نے تم پر حق واضح کرنے کے لیے کیا کچھ کیا اور تم نے باطل پرستی کی ضد میں اگر ہماری مخالفت کس کس طرح کی۔

۱۲۶ یعنی قبل اس کے کہ تم ان معبودوں کے بھروسے پر اتنا بڑا خطرہ مول لو، ذرا مجھے یہیں بتا دو کہ ان میں سے کون اتنا زور آور ہے کہ اللہ کی عدالت میں وہ تمہارا حمایتی بن کر اٹھ سکتا ہو اور تمہیں اس کی گرفت سے بچا سکتا ہو۔

اور اے نبی، ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

۱۴۷ یعنی تم صرف اسی شہر یا اسی ملک یا اسی زمانے کے لوگوں کے لیے نہیں بلکہ تمام دنیا کے انسانوں کے لیے اور ہمیشہ کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے ہو مگر یہ تمہارا ہے ہم جسراہی وطن تمہاری قدر و منزلت کو نہیں سمجھتے اور ان کو احساس نہیں ہے کہ کیسی عظیم ہستی کی بعثت سے ان کو نوازا گیا ہے۔

یہ بات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنے ملک یا اپنے زمانے کے لیے نہیں بلکہ قیامت تک پوری نوح بشری کے لیے مبعوث فرمائے گئے ہیں، قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان کی گئی ہے۔ مثلاً

وَأَوْحِي إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنَ لِأُنذِرَ كَوْمًا مِّنْهُمْ
وَمَنْ يَبْغِ رَانَام ۱۹۰

اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے میں تم کو متنبہ کر دوں اور ہر اس شخص کو جسے یہ پہنچے۔

اے نبی کہہ دو کہ اے انسانو، میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (الاعراف - ۱۵۸)

اور اے نبی، ہم نے نہیں بھیجا تم کو مگر تمام جہان والوں کے لیے رحمت کے طور پر۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (الانبیاء - ۱۰۷)

بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لیے متنبہ کرنے والا ہو۔

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (الفرقان - ۱)

یہی مضمون نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بہت سی احادیث میں مختلف طریقوں سے بیان فرمایا ہے۔ مثلاً:

بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ مُنَادٍ مَّحْمَدٌ

مرویات ابو موسیٰ اشعریؓ

میں عمومی کے ساتھ تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ حالانکہ مجھ سے پہلے جو نبی بھی گزرا ہے وہ اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا

أَمَا أَنَا فَارْسَلْتُ إِلَى النَّاسِ كَلِمًا عَامَةً وَكَانَ مِنْ قَبْلِي أَنَّمَا يُرْسَلُ إِلَى قَوْمِهِ مِّنْ دُونِ حَمْرٍ مَّرْوِيَّاتٌ

عبداللہ بن عمرؓ بن عباسؓ

یہ لوگ تم سے کہتے ہیں کہ وہ (قیامت کا) وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو؟ کہو تمہارے لیے ایک ایسے دن کی مبعاد مقرر ہے جس کے آنے میں نہ ایک گھڑی بھر کی تاخیر تم کر سکتے ہو اور نہ ایک گھڑی بھر پہلے آسکتے ہو۔

ع ۳

یہ کافر کہتے ہیں کہ ہم ہرگز اس قرآن کو نہ مانیں گے اور نہ اس سے پہلے آئی ہوئی کسی کتاب کو تسلیم کرینگے۔ کاش تم دیکھو ان کا حال اُس وقت جب یہ ظالم اپنے رب کے حضور کھڑے ہونگے۔ اُس وقت یہ ایک دوسرے پر الزام دھریں گے۔ جو لوگ دنیا میں دبا کر رکھے گئے تھے وہ بڑے بننے والوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن ہوتے۔ وہ بڑے بننے والے ان دبا ہوئے لوگوں کو جواب

وكان النبي يبعث الى قومه خاصة و
بعثت الى الناس عامة (بخاری و مسلم، من حدیث
جابر بن عبد اللہ)

میری بعثت اور قیامت اس طرح ہیں، یہ فرماتے ہوئے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیاں اٹھائیں۔

مطلب یہ تھا کہ جس طرح ان دو انگلیوں کے درمیان کوئی تیسری انگلی حاصل نہیں ہے اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان بھی کوئی نبوت نہیں ہے۔ میرے بعد بس قیامت ہی ہے اور قیامت تک میں ہی نبی رہنے والا ہے۔
۱۸ یعنی جس وقت کے متعلق ابھی تم نے کہا ہے کہ ہمارا رب ہم کو جمع کریگا اور ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیگا وہ وقت آخر کب آئے گا؟ ایک مدت سے ہمارا اور تمہارا مقدمہ چل رہا ہے ہم تمہیں بار بار جھٹلا چکے ہیں اور کھلم کھلا تمہاری مخالفت کیے جا رہے ہیں۔ اب اس کا فیصلہ کیوں نہیں کر ڈالا جاتا؟

۱۹ دوسرے الفاظ میں اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے تمہاری خواہشات کے تابع نہیں ہیں کہ کسی کام کے لیے جو وقت تم مقرر کرو اسی وقت پر وہ اُس کام کو کرنے کا پابند ہو۔ اپنے معاملات کو وہ اپنی ہی سوا باری کے مطابق انجام دیتا ہے۔ تم اسے کیا سمجھ سکتے ہو کہ اللہ کی حکیم میں فوج انسانی کو کب تک اس دنیا کے اندر کام کرنے کا موقع مناسب ہے، کتنے اشخاص اور کتنی قوموں کی کس کس طرح آزمائش ہونی ہے، اور

۱۵۲ ویں گے کیا ہم نے تمہیں اُس ہدایت سے روکا تھا جو تمہارے پاس آئی تھی؟ نہیں، بلکہ تم خود مجرم تھے، کونسا وقت اس کے لیے موزوں ہے کہ اس دفتر کو لپیٹ دیا جائے اور تمام اولین و آخرین کو محاسبہ کے لیے طلب کر لیا جائے۔ اس کام کا جو وقت اللہ ہی کی اسکیم میں مقرر ہے اسی وقت پر یہ کام ہوگا۔ نہ تمہارے تقاضوں سے وہ وقت ایک سکنڈ پہلے آئے گا اور نہ تمہاری التجاؤں سے وہ ایک سکنڈ کے لیے مل سکے گا۔

۱۵۳ مراد میں کفارِ عرب جو کسی آسمانی کتاب کو نہیں مانتے تھے۔

۱۵۴ یعنی عوام الناس، جو آج دنیا میں اپنے لیڈروں، سرداروں، پیروں اور حاکموں کے پیچھے آکھیں بند کیسے چلے جا رہے ہیں، اور ان کے خلاف کسی ناصح کی بات پر کان دھرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، یہی عوام جب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ حقیقت کیا تھی اور ان کے یہ پیشوا انہیں کیا باور کر رہے تھے، اور جب انہیں یہ پتہ چل جائے گا کہ ان رہنماؤں کی پیروی انہیں کس انجام سے دوچار کرنے والی ہے، تو یہ اپنے ان بزرگوں پر لپیٹ پڑیں گے اور چیخ چیخ کر کہیں گے کہ کم بختو، تم نے ہمیں گمراہ کیا، تم ہماری ساری مصیبتوں کے ذمہ دار ہو، تم ہمیں نہ بہکاتے تو ہم خدا کے رسولوں کی بات مان لیتے۔

۱۵۵ یعنی وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس ایسی کوئی طاقت نہ تھی جس سے ہم چند انسان تم کو ڈروں انسانوں کو زبردستی اپنی پیروی پر مجبور کر دیتے۔ اگر تم ایمان لانا چاہتے تو ہماری سرداریوں اور پیشواؤں اور حکومتوں کا تختہ الٹ سکتے تھے۔ ہماری فوج تو تم ہی تھے۔ ہماری دولت اور طاقت کا سرچشمہ تو تمہارے ہی ہاتھ میں تھا۔ تم نذرانے اور ٹیکس نہ دیتے تو ہم مفلس تھے۔ تم ہمارے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے تو ہماری پیری ایک دن نہ چلتی۔ تم زندہ باد کے نعرے نہ مارتے تو کوئی ہمارا پوچھنے والا نہ ہوتا۔ تم ہماری فوج بن کر دنیا بھر سے ہمارے لیے لڑنے پر تیار نہ ہوتے تو ایک انسان پر بھی ہمارا بس نہ چل سکتا تھا۔ اب کیوں نہیں مانتے کہ دراصل تم خود اُس راستے پر نہ چلنا چاہتے تھے جو رسولوں نے تمہارے سامنے پیش کیا تھا۔ تم اپنی اغراض اور خواہشات کے بندے تھے اور تمہارے نفس کی یہ مانگ رسولوں کی بتائی ہوئی راہ تقویٰ کے بجائے ہمارے ہاں پوری ہوتی تھی۔ تم حرام و حلال سے بے نیاز ہو کر عیش دنیا کے طالب تھے اور وہ ہمارے پاس ہی تھیں نظر آتا تھا۔ تم ایسے پیروں کی تلاش میں تھے جو تمہیں

وہ دبے ہوتے لوگ ان بڑے بننے والوں سے کہیں گے: "نہیں، بلکہ شب و روز کی مکاری تھی جب تم ہم سے کہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور دوسروں کو اس کا ہمسر ٹھہرائیں۔" آخر کار جب یہ لوگ عذاب دکھیں گے تو اپنے دلوں میں پچھتاہیں گے اور ہم ان منکرین کے گلوں میں طوق ڈال دیئے۔ کیا لوگوں کو اس کے سوا اور کوئی بدلہ دیا جاسکتا ہے کہ جیسے اعمال ان کے تھے ویسی ہی جہاں وہ پائیں؟

کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں ایک خبردار کرنے والا بھیجا ہو اور اس بستی کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہ نہ کہا ہو کہ جو پیغام تم لیکر آئے ہو اس کو ہم نہیں مانتے۔ انہوں نے ہمیشہ ہی کہا کہ ہم تم سے زیادہ مال اولاد رکھتے ہیں اور ہم ہرگز سزا پانے والے نہیں ہیں۔ اسے نبی، ان

ہر طرح کے گناہوں کی کھلی چھوٹ دیں اور کچھ نذرانہ لیکر خدا کے ہاں تمہیں بخشوا دینے کی خود ذمہ داری لے لیں تم ایسے پندتوں اور مولیوں کے طلبکار تھے جو ہر شرک اور ہر بدعت اور تمہارے نفس کی ہر پسند چیز کو عین حق ثابت کر کے تمہارا دل خوش کریں اور اپنا کام بنائیں تم کو ایسے جل سازوں کی ضرورت تھی جو خدا کے دین کو بدل کر تمہاری خواہشات کے مطابق ایک نیا دین گھڑیں تم کو ایسے لیڈر درکار تھے جو کسی نہ کسی طرح تمہاری دنیا بنا دیں خواہ عاقبت بگڑے یا درست ہو۔ تم کو ایسے حاکم مطلوب تھے جو خود بگڑاؤ اور بددیانت ہوں اور ان کی سرپرستی میں تمہیں ہر قسم کے گناہوں اور بدکرداریوں کی چھوٹ ملی رہے۔ اس طرح ہمارے اور تمہارے درمیان برابر کے مین دین کا سودا ہوا تھا۔ اب تم کہاں یہ ڈھونگ رچانے چلے ہو کہ گویا تم بڑے معصوم لوگ تھے اور ہم نے زبردستی تمہیں بگاڑ دیا تھا۔

۵۳ دوسرے الفاظ میں ان عوام کا جواب یہ ہو گا کہ تم اس ذمہ داری میں ہم کو برابر کا شریک کہاں ٹھہرائے دے رہے ہو۔ کچھ یہ بھی یاد ہے کہ تم نے اپنی چال بازیوں، فریب کاریوں اور جھوٹے پروپیگنڈوں سے کیا طلسم باندھ رکھا تھا، اور رات دن خلق خدا کو پھانسنے کے لیے کیسے کیسے جتن تم کیا کرتے تھے معاملہ صرف اتنا ہی تو نہیں ہے کہ تم نے ہمارے سامنے دنیا پیش کی اور ہم اس پر ریجھ گئے امر واقعہ یہ بھی تو ہے کہ تم شب و روز کی مکاریوں سے ہم کو بے وقوف بناتے تھے اور تم میں سے ہر شکاری

کہو میرا رب جسے چاہتا ہے کشادہ رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپاٹا عطا کرتا ہے، مگر اکثر لوگ اس کی حقیقت نہیں جانتے یہ تمہاری دولت اور تمہاری اولاد نہیں ہے۔

روز ایک نیا جال بن کر طرح طرح کی تدبیروں سے اللہ کے بندوں کو اس میں پھانتا تھا۔

قرآن مجید میں پیشوا اول اور پیروں کے اس جھگڑے کا ذکر مختلف مقامات پر مختلف طریقوں سے آیا ہے۔ تفصیل کے لیے حسب ذیل مقامات ملاحظہ ہوں: اعراف، آیات ۳۸-۳۹۔

ابراہیم، ۲۱۔ القصص، ۶۳۔ الاحزاب، ۶۶-۶۸۔ المؤمن، ۶۷-۶۸۔ حم السجدہ، ۲۹۔

۱۵۵۔ یہ بات قرآن مجید میں بکثرت مقامات پر بیان کی گئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا مقابلہ سب سے پہلے اور سب سے آگے بڑھ کر ان خوشحال طبقوں نے کیا ہے جو دولت و حشمت اور نفوذ و اقتدار کے مالک تھے۔ مثال کے طور پر حسب ذیل مقامات ملاحظہ ہوں:

الانعام، ۱۲۳۔ الاعراف، ۶۰، ۶۶، ۷۵، ۸۸، ۹۰۔ ہود، ۲۷۔ بنی اسرائیل، ۱۶۔ المؤمنون، ۲۲ تا ۳۳۔ ۳۸۔ ۴۶۔ ۴۷۔ الزمر، ۲۳۔

۱۵۵۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ ہم تم سے زیادہ اللہ کے پیارے اور پسندیدہ لوگ ہیں، جیسی تو اس نے ہم کو ان نعمتوں سے نوازا ہے جن سے تم محروم ہو، یا کم از کم ہم سے فروتر ہو۔ اگر اللہ ہم سے راضی نہ ہوتا تو یہ سرور سامان اور یہ دولت و حشمت ہمیں کیوں دیتا۔ اب یہ بات ہم کیسے باور کر لیں کہ اللہ یہاں تو ہم پر نعمتوں کی بارش کر رہا ہے اور آخرت میں جا کر ہمیں عذاب دیکھا۔ عذاب ہونا ہے تو ان پر ہونا ہے جو یہاں اس کی نوازشوں سے محروم ہیں۔

قرآن مجید میں دنیا پرستوں کی اس غلط فہمی کا بھی حکجگہ ذکر کر کے اس کی تردید کی گئی ہے مثال کے طور پر حسب ذیل مقامات ملاحظہ ہوں: البقرہ، ۱۲۶-۱۲۷۔ التوبہ، ۵۵-۶۹۔ ہود، ۳-۲۷۔ الرعد، ۲۶۔ الکہف، ۳۴ تا ۴۳۔ مریم، ۷۳ تا ۷۷۔ طہ، ۱۳۱۔ المؤمنون، ۵۵ تا ۶۱۔ الشعراء، ۱۱۱۔ القصص، ۷۶ تا ۸۳۔ الروم، ۹۔ المدثر، ۲۶ تا ۲۷۔ الفجر، ۱ تا ۲۰۔

۱۵۶۔ یعنی دنیا میں رزق کی تقسیم کا انتظام جس حکمت و مصلحت پر مبنی ہے اس کو یہ لوگ نہیں

جو تمہیں ہم سے قریب کرتی ہو۔ ہاں مگر جو ایمان لاتے اور نیک عمل کر سکتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے عمل کی دُہری جزا ہے، اور وہ بلند و بالا عمارتوں میں اطمینان سے رہیں گے۔ رہتے وہ لوگ جو ہماری آیات کو نیچا دکھانے کے لیے دُڑ دھوپ کرتے ہیں، تو وہ عذاب میں مبتلا ہونگے۔

اُسے نبی، ان سے کہو: میرا رب اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے کھلا رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے۔ جو کچھ تم خرچ کر دیتے ہو اُس کی جگہ وہی تم کو اور بچھتے اور اس غلط فہمی میں پڑ جاتے ہیں کہ جسے اللہ کشادہ رزق دے رہا ہے وہ اُس کا محبوب ہے، اور جسے تنگی کے ساتھ دے رہا ہے وہ اس کے غضب میں مبتلا ہے۔ حالانکہ اگر کوئی شخص ذرا آنکھیں کھول کر دیکھے تو اسے نظر آ سکتا ہے کہ کیا اوقات بُرے ناپاک اور گھناؤنے کردار کے لوگ نہایت خوشحال ہوتے ہیں، اور بہت سے نیک اور شریف انسان، جن کے کردار کی خوبی کا ہر شخص معترف ہوتا ہے، تنگ دستی میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔ اب آخر کون صاحب عقل آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ کو یہ پاکیزہ اخلاق کے لوگ ناپسند ہیں اور وہ شریر و خبیث لوگ ہی اسے بچھے لگتے ہیں۔

۵۵ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اور دونوں ہی صحیح ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ سے قریب کرنے والی چیز مال اور اولاد نہیں ہے بلکہ ایمان و عمل صالح ہے۔ دوسرے یہ کہ مال اور اولاد صرف اُس مومن صالح انسان ہی کے لیے ذریعہ تقرب بن سکتے ہیں جو اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور اپنی اولاد کو اچھی تعلیم و تربیت سے خدا شناس اور نیک کردار بنانے کی کوشش کرے۔

۵۸ اس میں ایک لطیف اشارہ اس امر کی طرف بھی ہے کہ ان کی یہ نعمت لازوال ہوگی اور اس اجر کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔ کیونکہ جس عیش کے کبھی ختم ہو جانے کا خطرہ ہو اس سے انسان پوری طرح مطمئن ہو کر لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ اس صورت میں یہ دُڑ کا لگا رہتا ہے کہ نہ معلوم کب یہ سب کچھ چھین جائے۔

دیتا ہے، وہ سب رازقوں سے بہتر رازق ہے۔

اور جس دن وہ تمام انسانوں کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے پوچھے گا کیا یہ لوگ

۹ھ اس مضمون کو تکرار بیان کرنے سے مقصود اس بات پر زور دینا ہے کہ رزق کی کمی و بیشی

اللہ کی مشیت سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ اس کی رضا سے۔ مشیتِ الہی کے تحت اچھے اور بُرے

ہر طرح کے انسانوں کو رزق مل رہا ہے۔ خدا کا اقرار کرنے والے بھی رزق پا رہے ہیں اور اس کا انکار

کرنے والے بھی۔ نہ رزق کی فراوانی اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی خدا کا پسندیدہ بندہ ہے، اور نہ

اس کی تنگی اس امر کی علامت ہے کہ آدمی اُس کا مغضوب ہے۔ مشیت کے تحت ایک ظالم اور

بے ایمان آدمی بھینٹا پھونتا ہے، حالانکہ ظلم اور بے ایمانی خدا کو پسند نہیں ہے۔ اور اس کے برعکس

ہی کے تحت ایک سچا اور ایماندار آدمی نقصان اٹھاتا اور تکلیفیں سہتا ہے، حالانکہ یہ صفات خدا کو

پسند ہیں۔ لہذا وہ شخص سخت مگراہ ہے جو مادی فوائد و منافع کو خیر و شر کا پیمانہ قرار دیتا ہے۔ اصل

چیز خدا کی رضا ہے اور وہ ان اخلاقی اوصاف سے حاصل ہوتی ہے جو خدا کو محبوب ہیں۔ ان اوصاف

کے ساتھ اگر کسی کو دنیا کی نعمتیں حاصل ہوں تو یہ بلاشبہ خدا کا فضل ہے جس پر شکر ادا کرنا چاہیے لیکن

اگر ایک شخص اخلاقی اوصاف کے لحاظ سے خدا کا باغی و نافرمان بندہ ہو اور اس کے ساتھ دنیا کی

نعمتوں سے نوازا جا رہا ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ سخت باز پرس اور بدترین عذاب کے

لیے تیار ہو رہا ہے۔

نقلہ رازق، صانع، موجد، معطی اور ایسی ہی دوسری بہت سی صفات ایسی ہیں جو اصل

میں تو اللہ تعالیٰ ہی کی صفات ہیں مگر مجازاً بندوں کی طرف بھی منسوب ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ہم ایک

شخص کے متعلق کہتے ہیں کہ اس نے فلاں شخص کے روزگار کا بند و بست کر دیا، یا اس نے یہ عطیہ

دیا، یا اس نے فلاں چیز بنائی یا ایجاد کی۔ اسی لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خیر الرازقین کا لفظ

استعمال فرمایا ہے۔ یعنی جن جن کے متعلق تم گمان رکھتے ہو کہ وہ روزی دینے والے ہیں اُن سب سے

بہتر روزی دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

تمہاری ہی عبادت کیا کرتے تھے؟ تو وہ جواب دیں گے کہ ”پاک ہے آپ کی ذات، ہمارا تعلق تو آپ سے ہے نہ کہ ان لوگوں سے۔“ دراصل یہ ہماری نہیں بلکہ جنوں کی عبادت کرتے تھے، ان میں سے اکثر انہی پر ایمان لائے ہوئے تھے۔ اس وقت

اللہ قدیم ترین زمانے سے آج تک ہر دور کے مشرکین فرشتوں کو دیوی اور دیوتا قرار دے کر ان کے بت بناتے اور ان کی پرستش کرتے رہے ہیں۔ کوئی بارش کا دیوتا ہے تو کوئی بجلی کا اور کوئی ہوا کا۔ کوئی دولت کی دیوی ہے تو کوئی علم کی اور کوئی موت و ہلاکت کی۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ قیامت کے روز ان فرشتوں سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم ہی ان لوگوں کے معبود بنے ہوئے تھے؟ اس سوال کا مطلب صرف دریافتِ حال ہی نہیں ہے بلکہ اس میں یہ معنی بھی پوشیدہ ہیں کہ کیا تم ان کی اس عبادت سے راضی تھے؟ کیا تم نے یہ کہا تھا کہ لوگوں تمہارے معبود ہیں، تم ہماری پوجا کیا کرو؟ یا تم نے یہ چاہا تھا کہ یہ لوگ تمہاری پوجا کریں؟ قیامت میں یہ سوال صرف فرشتوں ہی سے نہیں بلکہ تمام ان ہستیوں سے کیا جائے گا جن کی دنیا میں عبادت کی گئی ہے۔ چنانچہ سورہ فرقان میں ارشاد ہوا ہے:

دَيُّوۡمَ نَحۡشُرُهُمۡ وَمَا يَجۡبُدُوۡنَ مِنْ دُوۡنِ اللّٰهِ فَيَقُوۡلُ عَاۡثِمُ اَصۡلٰتُكُمۡ عِبَادٰى هٰۤؤُلَاءِ اَمْ هُمۡ اَصۡنَعُوۡا السَّجۡدَ - جس روز اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اور ان ہستیوں کو جن کی یہ اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں جمع کرے گا پھر پوچھے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود راہِ راست سے بھٹک گئے تھے؟ (آیت ۱۷)

۱۷ یعنی وہ جو انہی دیں گے کہ حضور کی ذات اس سے منترہ اور بالاتر ہے کہ کوئی دوسرا خدائی و معبودیت میں آپ کا شریک ہو۔ ہمارا ان لوگوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہم ان سے اور ان کے افعال سے بری الذمہ ہیں۔ ہم تو حضور کے بندے ہیں۔

۱۸ اس فقرے میں جن سے مراد شیاطین جن ہیں۔ فرشتوں کے اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ بظاہر تو یہ ہمارے نام لے کر، اور اپنے تخیلات کے مطابق ہماری صورتیں بنا کر گویا ہماری

ہم کہیں گے کہ آج تم میں سے کوئی نہ کسی کو غائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ اور ظالموں سے ہم کہہ دیں گے کہ اب سچھو اس عذابِ جہنم کا مزہ جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔

ان لوگوں کو جب ہماری صاف صاف آیات سنائی جاتی ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص تو میں یہ چاہتا ہے کہ تم کو ان معبودوں سے برگشتہ کر دے جن کی عبادت تمہارے باپ دادا کرتے آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ ”یہ (قرآن) محض ایک جھوٹ ہے گھڑا ہوا“ ان کافروں کے سامنے جب حق آیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ ”یہ تو صریح جادو ہے“ حالانکہ نہ ہم نے ان لوگوں کو پہلے کوئی کتاب دی تھی کہ یہ اسے پڑھتے ہوں اور نہ تم سے پہلے ان کی طرف کوئی منتنبیہ کرنے والا بھیجا تھا۔ ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگ جھٹلا چکے ہیں۔ جو کچھ ہم نے انہیں دیا تھا اُس کے عشرِ عشیرہ کو بھی یہ نہیں پہنچے ہیں۔ مگر جب انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا تو دیکھ لو کہ میری سزا کیسی

عبادت کرتے تھے، لیکن دراصل یہ ہماری بیکہ شیاطین کی بندگی کر رہے تھے، کیونکہ شیاطین ہی نے ان کو یہ راستہ دکھایا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا حاجت روا سمجھو اور ان کے آگے نذرینا پیش کیا کرو۔

اس آیت سے پھر عبادت کے ایک دوسرے مفہوم پر روشنی پڑتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت صرف پرستش اور پوجا پاٹ ہی کا نام نہیں ہے بلکہ کسی کے حکم پر چلنا اور اس کی بے چون چرا اطاعت کرنا بھی عبادت ہی ہے۔ خنی کہ اگر آدمی کسی پر لعنت بھیجتا ہو جیسا کہ شیطان پر بھیجتا ہے اور پھر بھی پیروی اسی کے طریقے کی کیسے جا رہا ہوتا ہے وہ اس کی عبادت کا ترکیب ہے۔ اس کی دوسری مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر القرآن جلد اول، ص ۳۹۸-۴۸۴۔ جلد دوم، ص ۱۸۹-۱۹۰۔ جلد سوم، ص ۶۹-۶۵۶۔

۱۱۱ یعنی اس سے پہلے نہ کوئی کتاب خدا کی طرف سے ایسی آئی ہے اور نہ کوئی رسول ایسا آیا ہے جس نے ان کو یہ تعلیم دی ہو کہ یہ اللہ کے سوا دوسروں کی بندگی و پرستش کیا کریں۔ اس لیے

سخت تھی۔ ع

اے نبیؐ، ان سے کہو کہ میں تمہیں بس ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں۔ خدا کے لیے تم اکیلے اکیلے اور دو دو مل کر اپنا دماغ لٹاؤ اور سوچو، تمہارے صاحب میں آخری کوئی بات ہے جو جنون کی ہے؟ وہ تو ایک سخت عذاب کی آمد سے پہلے تم کو متنبہ کرنے والا ہے۔ ان سے کہو، "اگر میں نے تم سے کوئی اجر مانگا ہے تو وہ تم ہی کو مبارک رہے۔ میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔" ان سے کہو یہ لوگ کسی علم کی بنا پر نہیں بلکہ سراسر جہالت کی بنا پر قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ توحید کا انکار کر رہے ہیں۔ اس کے لیے ان کے پاس کوئی سند نہیں ہے۔

۶۵ یعنی مکے کے لوگ تو اس قوت و شوکت اور اس خوشحالی کے عشرِ عشر کہ بھی نہیں پہنچے ہیں جو ان قوموں کو حاصل تھی۔ مگر دیکھ لو کہ جب انہوں نے ان حقائق کو ماننے سے انکار کیا جو نبیؐ علیہم السلام نے ان کے سامنے پیش کیے تھے، اور باطل پر اپنے نظامِ زندگی کی بنیاد رکھی تو آخر کار وہ کس طرح تباہ ہوئیں اور ان کی قوت و دولت ان کے کسی کام نہ آسکی۔

۶۶ یعنی اغراض اور خواہشات اور تعصبات سے پاک ہو کر خالصتہً اللہ غور کرو۔ ہر شخص الگ الگ بھی نیک نیتی کے ساتھ سوچے اور دو دو چار چار آدمی سر جوڑ کر بھی بے لاگ طریقے سے ایک دوسرے کے ساتھ بحث کر کے تحقیق کریں کہ آخر وہ کیا بات ہے جس کی بنا پر آج تم اس شخص کو مجنون ٹھہرا رہے ہو جسے کل تک تم اپنے درمیان نہایت دانا آدمی سمجھتے تھے۔ آخر نبوت سے غمخوری ہی مدت پہلے کا تو واقعہ تھا کہ تعمیرِ کعبہ کے بعد حجرِ اسود نصیب کرنے کے مسئلے پر جب قبائلِ قریشی باہم لڑ پڑے تھے تو تم ہی لوگوں نے بالاتفاق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تسلیم کیا تھا اور انہوں نے ایسے طریقے سے اس جھگڑے کو چکا یا تھا جس پر تم سب مطمئن ہو گئے تھے۔ جس شخص کی عقل و دانش کا یہ تجربہ تمہاری ساری قوم کو ہو چکا ہے، اب کیا بات ایسی ہو گئی کہ تم اسے مجنون کہنے لگے؟ ہٹ دھرمی اور ضد کی بات تو دوسری ہے، مگر کیا واقعی تم اپنے دلوں میں بھی وہی کچھ سمجھتے ہو جو اپنی زبانوں

”میرا رب (مجھ پر) حق کا ارتقا کرتا ہے اور وہ تمام پوشیدہ حقیقتوں کا جاننے والا ہے۔“
 کہو حق آگیا ہے اور اب باطل کے کیسے کچھ نہیں ہو سکتا۔ کہو اگر میں گمراہ ہو گیا ہوں تو میری
 گمراہی کا وبال مجھ پر ہے، اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اُس وحی کی بنا پر ہوں جو میرا رب
 میرے اوپر نازل کرتا ہے، وہ سب کچھ سنتا ہے اور قریب ہی ہے۔“

سے کہتے ہو؟

۶۶ یعنی کیا یہی وہ تصور ہے جس کی بنا پر تم اسے جنون کا مریض ٹھہراتے ہو؟ کیا تمہارے
 نزدیک عقلمند وہ ہے جو تمہیں تناسی کے راستے پر جاتے دیکھ کر کہے کہ شاباش، بہت اچھے جا رہے
 ہو، اور محزون وہ ہے جو تمہیں بُرا وقت آنے سے پہلے خبردار کرے اور فساد کی جگہ اصلاح
 کی راہ بتائے؟

۶۸ اصل الفاظ ہیں مَا سَأَلْتُكَ مِنْ آجُرٍ فَهُوَ لَكَ - اس کا ایک مطلب تو وہ ہے جو
 ۹ اور پر ہم نے ترجمہ میں بیان کیا ہے۔ اور دوہرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہاری بھلائی کے سوا میں
 اور کچھ نہیں چاہتا، میرا اجر بس یہی ہے کہ تم درست ہو جاؤ۔ اس مضمون کو دو مری جبکہ قرآن مجید میں
 یوں ادا کیا گیا ہے :

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ
 اے نبی، ان سے کہو میں اس کام پر تم سے کوئی
 إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا
 اجر اس کے سوا نہیں مانگتا کہ جس کا جی چاہے
 وہ اپنے رب کا راستہ اختیار کرے۔
 (الفرقان - ۵۷)

۶۹ یعنی الزام لگانے والے جو کچھ چاہیں الزام لگاتے رہیں، مگر اللہ سب کچھ جانتا ہے، وہ گواہ
 ہے کہ میں ایک بے غرض انسان ہوں، یہ کام اپنے کسی ذاتی مفاد کے لیے نہیں کر رہا ہوں۔

۷۰ اصل الفاظ ہیں يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ بِالْحَقِّ - اس کے ایک معنی یہ ہیں کہ وحی کے ذریعہ سے وہ علم حق
 میرے اوپر ارتقا کرتا ہے۔ اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ وہ حق کو غالب کر رہا ہے، باطل کے سر پر حق
 کی ضرب لگا رہا ہے۔

کاش تم دیکھو انہیں اُس وقت جب یہ لوگ گھبراتے پھر رہے ہوں گے اور کہیں بچ کر نہ جا سکیں گے، بلکہ قریب ہی سے پکڑ لیے جائیں گے۔ اُس وقت یہ کہیں گے کہ ہم اُس پر ایمان لائے آئے۔ حالانکہ اب دُور نکلی ہوئی چیز کہاں ہاتھ آسکتی ہے۔ اس سے پہلے یہ کفر کر چکے تھے اور

۱۱۷۰ اس زمانے کے بعض ظالم لوگوں نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس کی رو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم گمراہ ہو سکتے تھے، بلکہ ہو جایا کرتے تھے، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے خود حضور ہی کی زبان سے یہ کہلوا دیا کہ اگر میں گمراہ ہوتا ہوں تو اپنی گمراہی کا خود ذمہ دار ہوتا ہوں اور راہِ راست پر میں بس اُس وقت ہوتا ہوں جب میرا رب مجھ پر وحی ربیٰ یعنی آیات قرآنی نازل کرتا ہے۔ اس غلط تاویل سے یہ ظالم گویا یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضور کی زندگی معاذ اللہ ہدایت و ضلالت کا مجموعہ تھی اور اللہ تعالیٰ نے کفار کے سامنے حضور سے یہ اعتراف اس لیے کروایا تھا کہ کہیں کوئی شخص آپ کو بالکل ہی راہِ راست پر سمجھ کر آپ کی مکمل پیروی نہ اختیار کر بیٹھے۔ حالانکہ جو شخص بھی سلسلہ کلام پر غور کرے گا وہ جان لے گا کہ یہاں اگر میں گمراہ ہو گیا ہوں کے الفاظ اس معنی میں نہیں کہے گئے ہیں کہ معاذ اللہ حضور فی الواقع گمراہ ہو جاتے تھے، بلکہ پوری بات اس معنی میں کہی گئی ہے کہ اگر میں گمراہ ہو گیا ہوں، جیسا کہ تم مجھ پر الزام لگا رہے ہو، اور میرا یہ نبوت کا دعویٰ اور میری یہ دعوت تو جیسا کہ تم کہتے ہو، جیسا کہ وہی گمان کر رہے ہو، تو میری گمراہی کا وبال مجھ پر ہی پڑے گا، اس کی ذمہ داری میں تم نہ پکڑے جاؤ گے لیکن اگر میں ہدایت پر ہوں، جیسا کہ درحقیقت ہوں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھ پر میرے رب کی طرف سے وحی آتی ہے جس کے ذریعہ سے مجھے راہِ راست کا علم حاصل ہو گیا ہے۔ میرا رب قریب ہی موجود ہے اور سب کچھ سن رہا ہے، اسے معلوم ہے کہ میں گمراہ ہوں یا اس کی طرف سے ہدایت یافتہ۔“

۱۱۷۱ یعنی قیامت کے روز ہر مجرم اس طرح پکڑا جائے گا کہ گویا پکڑنے والا قریب ہی کہیں چھپا کھڑا تھا ذرا اس نے بھاگنے کی کوشش کی اور فوراً ہی دھر لیا گیا۔

۱۱۷۲ مراد یہ ہے کہ اُس تعلیم پر ایمان لے آئے جو رسول نے دنیا میں پیش کی تھی۔

۱۱۷۳ یعنی ایمان لانے کی جگہ تو دنیا تھی اور وہاں سے اب یہ بہت دُور نکل آئے ہیں۔ عالمِ آخرت

بلا تحقیق دوردور کی کوڑیاں لایا کرتے تھے۔ اُس وقت جس چیز کی تمنا یہ کر رہے ہونگے اس سے
یہ محروم کر دینے جائیں گے جس طرح ان کے پیش رو ہم مشرب محروم ہو چکے ہونگے۔ یہ بڑے
گمراہ کن شک میں پڑے ہوئے تھے۔

میں پہنچ جانے کے بعد اب تو بہ و ایمان کا موقع کہاں مل سکتا ہے۔

۷۷ یعنی رسول اور تعلیمات رسول اور اہل ایمان پر طرح طرح کے الزامات لگاتے، آواز سے

کہتے اور فقرے پڑھتے کرتے تھے کبھی کہتے یہ شخص ساحر ہے کبھی کہتے مجنون ہے کبھی توحید کا مذاق اڑاتے
اور کبھی آخرت کے تخیل پر باتیں جھانٹتے کبھی یہ افسانہ تراشتے کہ رسول کو کوئی اور سکھاتا پڑھاتا ہے اور
کبھی ایمان لانے والوں کے متعلق کہتے کہ یہ محض اپنی نادانی کی وجہ سے رسول کے پیچھے لگ گئے ہیں۔

۷۸ در حقیقت شرک اور دہریت اور انکارِ آخرت کے عقائد کوئی شخص بھی یقین کی بنا پر اختیار

نہیں کرتا اور نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ یقین صرف علم سے حاصل ہوتا ہے، اور کسی شخص کو بھی یہ علم حاصل
نہیں ہے کہ خدا نہیں ہے، یا بہت سے خدا ہیں، یا خدائی کے اختیارات میں بہت سی ہستیوں کو دخل
حاصل ہے، یا آخرت نہیں ہوتی ہے۔ پس جس نے بھی دنیا میں یہ عقائد اختیار کیے ہیں اس نے محض قیاس
لگان پر ایک عمارت کھڑی کر لی ہے جس کی اصل بنیاد شرک کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اور یہ شرک، انہیں
سخت گمراہی کی طرف لے گیا ہے۔ انہیں خدا کے وجود میں شک ہوا۔ انہیں توحید کی صداقت میں شک
ہوا۔ انہیں آخرت کے آنے میں شک ہوا۔ حتیٰ کہ اس شرک کو انہوں نے یقین کی طرح دلوں میں بٹھا کر
انبیاء کی کوئی بات نہ مانی اور اپنی زندگی کی پوری جہالت عمل ایک غلط راستے میں کھپا دی۔